پروفیسر تاثیر وجدان

ایک نوری دائرہ

جس کے اندر پوری شریعت اسلامیہ کا پھیلاؤ، سمٹا ہوا ہے

("فضائل اذان و اقامت" کا خصوصی مطالعہ)

محبِ گرامی، حضرت مولانا حبیب الرحمن ہاشمی صاحب کی ایک سو ساٹھ صفحات پر مشتمل مختصر لیکن مدلل کتاب "فضائل اذان و اقامت" جسے ہمارے مخدوم حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب دامت برکاتہم کی اصابت رائے نے بھی شاید اس کے اجمال و اختصار کے پیش نظر ہی رسالہ کہا ہے، اپنے ظاہری حجم اور لفظی سرمائے کی حد تک محدود و مختصر ہی سہی لیکن اپنے معنوی سرمائے کی حد تک یقیناً محدود و مختصر نہیں۔ اس تالیف کا داخلی حجم موضوع و معنی کی عظمتوں کی وجہ سے گراں قیمت اور لامحدود ہے۔ عنوان کے الفاظ ظاہری سے تو صرف یہ متبادر ہوتا ہے کہ بات شاید صرف اذان و اقامت نماز تک محدود ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ یہ صرف یہیں تک محدود نہیں (جیسا کہ ایک سطحی سوچ کا عام قاری خیال کر سکتا ہے) بلکہ پورے اقامت دین کو محیط ہے۔

اس نکتہ کی وضاحت یہ ہے کہ نفل نماز کو، جو قرب خداوندی کے حصول کا یقینی وسیلہ ہے، تقرب الی اللہ کے لئے بیقراری و جستجو، مغفرت کی طلب اور چشم نم دیدہ کے ساتھ ندا ً خفیاً کی پیروی میں چپکے چپکے عرضِ عجز و نیاز اور اظہار انکسار و شکستگی کے لئے تو ہمیشہ کوئی گوشۂ خلوت اور کوئی کنجِ عزلت ہی راس آیا (یہ تخلیہ اور تنہائی کی انفرادی نماز ٹھہری جو یقیناً حق تعالیٰ کو مطلوب اور فرض نماز کی تقویت کا ذریعہ ہے) لیکن اذان واقامت کے نتیجے میں رو بہ عمل آنے والی نماز جو فرائض کی بجا آوری کے لئے ہے، اجتماعیت اور باقاعدہ اجتماعی صف آرائی کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ نماز باجماعت ہے جو اپنی جماعتی حیثیت میں پورے دین کا تعارف ہے اور اس تک عملاً رسائی کا اعلیٰ ترین ذریعہ۔ یہاں تک کہ اسلام کی ان پانچ بنیادی باتوں میں بھی جن پر دینِ حق کی پُر شکوہ عمارت استوار ہوئی۔ اصل الاصول کی حیثیت اسی کو حاصل ہے۔ ہم حکماً اور اولاً اسی نماز باجماعت کے مکلف اور پابند ہیں۔ نماز خواہ نوافل و سنن کی شکل میں گھر کی خلوت گاہ میں ہو یا بصورت فرائض مسجد کی جلوت گاہ میں، اپنے مقصد و مراد میں اللہ پاک کے تقرّب اور اس کی رضا کی تلاش کا ایک انتہائی صالح عمل ہے جو اپنی ظاہری ہیئت میں بھی ایک بر تر معنویت اور اہمیت کا حامل ہے۔ نماز باجماعت اپنی پوری ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ ملکی اور قومی سطح پر دینی نظام کی مجموعی ہیئت بالغہ کا تعارف کرواتی ہے۔ یہاں امام اور مقتدی کی صورت میں امیر اور مامور کی حدود کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔ اسی لئے اسلام کے ازمنۂ اولیٰ میں خلافت ہی امامت کا فرض بھی سرانجام دیتی رہی۔ گویا ملکی سطح پر دینِ حق کا قیام بحیثیت ایک

نظام خلافت، کے قیام نماز کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ وہ پورے نظام دینی کا عماد و عمود ہے۔ "الذین ان مکنٰھم" والی نص کریمہ میں مسلمانوں کے اقتدار ارضی کو نماز کے ساتھ مشروط وملزوم کر دیا گیا۔ فرمایا گیا کہ خلافت الٰہیہ کا اصلی اور اساسی مقصد ہدف ہی نماز کا قیام اور ادائیگی زکوٰۃ ہے۔ "امۃ وسطاً لتکونوا" : والی آیت کریمہ میں واضح کر دیا گیا کہ امت وسط و عدل صرف اسی وقت امت وسط و عدل ہوگی جب وہ حق و صداقت کی شہادت علی الناس کا فرض پورا کرے گی جس کی بہترین صورت نماز ہے۔ یوں تو نماز کے باہر عام سماجی زندگی میں بھی ہمارا نیکی کا ہر عمل شہادت حق ہی ہے۔ لیکن یہ اذان و اقامت اور نماز ہی کے اعمال پاکیزہ و اعلیٰ ہیں جن کی عملی تکمیل کے دوران باقاعدہ "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمد الرسول اللہ" کے شہادتی اور تصدیقی الفاظ زبان سے کہلوا کر شہادت حق علی الناس کا فرض پابندی سے پورا کر دیا گیا۔ یوں اصلاً نماز اور صرف نماز ہی حق کی مکمل اور مؤثر شہادت و گواہی کا وسیلہ بنی جس سے دینی نظام عمل میں نماز کے مقام و مرتبے کا تعین ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نماز اپنے کلی وجود میں ایک ایسا نوری دائرہ ہے جس کے اندر پوری شریعت اسلامیہ کا عظیم الشان پھیلاؤ سمٹا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ایک شہادت دہندۂ حق کی حیثیت سے نماز صرف نوعِ انسانی ہی کی غایت وجود نہیں، وہ سارے موجودات اور پوری کائنات کی فطرت و ضرورت ہے اور ان کی غایت تخلیق بھی۔ اہل نظر کہتے آئے ہیں کہ تکرار سے چیزیں قرار پکڑتی ہیں۔ جس طرح سانس کی روزمرہ کی تکرار زندگی کے قیام و بقا کے لئے ناگزیر ہے یونہی ایک حقیقی اور سچی زندگی کے قیام کے لئے نماز کی پانچ وقت کی یومیہ تکرار ناگزیر ہے اور اس کی بقا کی ضامن بھی ہے۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے (جن کے لئے نبوت کا اعزاز مقسوم اور موعود تھا اگر وہ جاری رہتا) اپنے دور خلافت میں چار ہزار مساجد تعمیر کرائیں جن میں سے نوسو "جامع" تھیں۔ یہ ہے اسلام کی عظیم الشان تاریخ کے صرف ایک خلیفۂ راشد کی اہتمام نماز کے لئے تعمیرِ مساجد کی تابناک کارکردگی، اور یہ ہے میری نظر میں اس کتاب کا جواز تالیف، اور یہ ہے وہ نکتۂ سربستہ جو ہمارے محبِّ عالی جناب حبیب الرحمن ہاشمی کے ذہن پر جب منکشف ہوا تو انہوں نے شریعت اسلامیہ کے ایک بنیادی موضوع پر قلم اٹھایا کہ ایک مسلمان قلم کار تو فطری تدریج کے مطابق پہلے اساس ہی کو لے گا تاکہ آئندہ اس پر فکر کی بالائی عمارت تعمیر کرتا ہوا وہ اپنے اللہ کے ہاں سرخرو ہو سکے۔

تاہم اس سلسلہ کی وقیع اور قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ حصول رضائے الٰہی کے عظیم نصب العین کے ساتھ مؤلف محترم کے بے ریا اور بے داغ رشتۂ اخلاص نے بھی اس تالیف کو معنوی اعتبار سے گرانقدر اور لامحدود کر دیا ہے۔ دینِ حق کی میزانِ عدل میں اعمال کی باوزنی اور بے وزنی کا فیصلہ ہمیشہ اخلاص کی کمی و بیشی کے حوالے سے ہی طے ہوتا آیا ہے اور طے ہوتا رہے گا۔ انسانی ہست و بود کے اس پرانے جہانِ کیف وکم میں کیفیت (Quality) ہمیشہ کمیت (Quantity) کے مقابلے میں بوجوہ بھاری ہی تُلتی رہی کہ یہ مقدارِ عمل نہیں معیارِ عمل ہے جو ہمیشہ اللہ ربّ العزت کو مطلوب رہا۔ نماز معراج ہے یعنی رب کی طرف

عروج اور ترقی پانے کا ایک سفر جس کی مسافتیں لامتناہی ہیں لیکن راہ و رسم منزلہا کے باخبر سالکین جانتے ہیں کہ سینۂ اخلاص مندی کے آتش کدہ سے نکلی ہوئی ندامت کی صرف ایک آہ حارہ بعض اوقات ارض و سمٰوات کی ساری مسافت کو چشم زدن میں طے کرا دیتی ہے بقول مولانا عبدالماجد دریا بادی رحمۃ اللہ علیہ "توبہ کی محض ایک آہ سے رستے کی سو دنیاؤں کے گناہ بھی ہٹائے جا سکتے ہیں۔ بقول اقبال "طے شود جادۂ صد سالہ بآہے گاہے" اور میخانۂ طریقت کے رندان بادہ نوش بعض اوقات بقول حافظ شیراز "ناگاہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند" مؤلف کے اس اخلاص قلبی کے اثرات کو ان کے سادہ طرز تحریر اور انکے لب و لہجہ کے مخصوص شخصی تیوروں میں آسانی سے معلوم و محسوس کیا جا سکتا ہے۔ یہ چیز ان کی تبلیغ کو ہدف یاب بنانے میں بہت ممد و معاون ثابت ہوئی ہے۔

الحمد للہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن ہاشمی صاحب کی شخصیت کئی خدا داد محاسن کا مجموعہ ہے ۔حضرت کی ذات والا صفات دینی مسائل و موضوعات پر علمی طلب و جستجو اور علمی تحقیق و تعیین کے لئے مسلسل بے قراری اور بے تابی کا ایک قابل رشک نمونہ ہے۔ لیکن وہ خاص بات جو انہیں اپنے معاصرین (میرے جیسے) میں ایک واضح او قابل قدر امتیاز بخشتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ صرف زبان ہی سے نہیں قلم کے ذریعے بھی شہادت حق کا قرآنی فرض نبھانے والے ایک فعال داعی اور ایک سرگرم مبلغ ہیں۔ اکتساب علمی اور اس کے ساتھ تحقیق علمی کا سارا عمل ان کے ہاں ترسیل کے لئے ہے۔ ان کے ہاں علم کی دن رات کی تدوین علم کی تقسیم پر منتج ہوتی ہے۔ وہ علمی جواہر کو اپنے دامن میں جمع کرتے ہیں تاکہ مٹھیاں بھر بھر کر انہیں محتاج اور ضرورت مند خلق خدا میں بکھیر سکیں۔ وہ جود و سخا اور داد و دہش کے عادی ایک ایسے متمول زمیندار ہیں جن کے کھلیان اور خرمن عامۃ الناس کو رزق رسانی پر مامور کر دیئے گئے ہیں۔ یہ سب اللہ کے فضل بیکراں سے ہے۔ اللھم زد فزد۔

ایک اور لیکن ذرا مختلف زاویہ نظر سے انکی شخصیت کا مطالعہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی شخصیت کثیر الجہات ہے جو انکی شخصی وحدت میں کثرت کا ایک منظر ہے۔ انکی شخصیت کی اکائی میں کئی ذیلی شخصیتیں مجتمع اور متحد ہیں جن میں غالب ترین یعنی بنیادی شخصیت ایک مبلغ کی ہے جو تبلیغی جماعت کے ساتھ رابطۂ خاص کی وجہ سے بھی سمجھ میں آتی ہے عملاً یوں ہوتا ہے کہ جب ان کے اندر کا داعی و مبلغ اپنے نصب العین کیلئے سرگرم کار ہوتا ہے تو ان کے اندر چھپے ہوئے وسیع المطالعہ عالم، ایک عرق ریز علمی محقق اور ایک باذوق اور ہنر مند مؤلف و ناشر کی ذیلی شخصیتیں بھی اسکے ساتھ متحد اور ہم آہنگ ہو کر روبہ عمل آتی ہیں اور پھر وہ وقفے وقفے سے کوئی نہ کوئی خوبصورت اور دینی اعتبار سے نفع بخش کتاب تالیف کر کے بلکہ باقاعدہ تعمیر کر کے معاشرے کے قاری کو پہنچا دیتی ہیں۔ ادھر اسلام میں تعمیر یا فن تعمیر کے لئے حسن افادہ اور استحکام کی اقدار کو لازمی قرار دیا گیا۔

حسن کی قدر کے اعتبار سے یہ تالیف صورتاً اور افادیت کی قدر کے لحاظ سے معناً اپنا ایک اہم مقام

رکھتی ہے جسے ایک منفرد پہچان اور جداگانہ تشخص حاصل ہوا ہے۔ میں پہلے کتاب کے باطنی حسن یا اس کی معنوی افادیت کو زیر بحث لارہا ہوں کہ یہ کتاب کی غائیت وجود بھی ہے اور جواز وجود بھی۔ یہاں کتاب کے پایہ استناد و اعتبار کو قائم رکھنے کے لئے مؤلف محترم کی تحقیقی رینج (Range) قابل تعریف ہے۔ اسلام کے دور متقدمین، متوسطین اور متاخرین کے معتبر ماخذوں سے جن کی صحت مندی اور اعتبار کو حضرت والا جناب مفتی عبدالستار صاحب کے علمی تبحر نے بھی تسلیم کیا ہے اخذ و استفادے کا وسیع عمل، تحقیق و تدوین کی عرق ریزی اور کوہکنی کی وضاحت کرتا ہے۔ حوالوں میں قرآن و حدیث کے بعد اسلام کی ڈیڑھ ہزار سالہ علمی فکری اور تہذیبی تاریخ کے سفر ارتقا کے عہد بہ عہد منظر عام پر آنے والے علمی اور تحقیقی شاہکاروں کے عقائد، نظریات اور معلومات کو مؤلف محترم نے جگہ جگہ اپنے بیانات کی تائید و تصدیق کے لئے خوبصورتی سے صرف کیا ہے۔ یہاں مؤلفانہ سعی و کاوش اپنی حیثیت میں منقولی زیادہ ہے اور معقولی نسبتاً کم ہے تاہم محض عقلیت پسندی اور منطق طرازی بھی چونکہ انکے تبلیغی ہدف کے منافی تھی لہذا پرہیز روا رکھا گیا جو مستحسن ہے۔ ایک سو ساٹھ صفحات کی اس کتاب میں یہ حوالہ جات کم و بیش ساٹھ پینسٹھ کی تعداد میں موجود ہیں۔ اصل متون بعض اوقات دور تک چلتے ہیں جس کی وجہ سے اصل منابع کے قیمتی اور مبارک اثرات اپنی اصل حیثیت میں بہ افراط قاری کے فکر و خیال اور دیدہ و دل میں اترتے محسوس ہوتے ہیں۔

کتاب کا دائرہ خطاب وسیع ہے۔ اس کی زبان اس کا بیان عام قاری کے لئے قابل فہم ہیں لیکن ان کی اصلاحی کوششوں کا ہدف اور نشانہ ترجیحی طور پر نسل جدید کا ذہن ہے جس میں جدید تفریحی ذرائع ابلاغ کی وجہ سے عقیدے کا فساد زیادہ نمایاں اور بلحاظ نتائج زیادہ خطرناک ہے۔ چنانچہ ان کے ہاں یہ اہتمام مسلسل طور پر موجود دکھائی دیتا ہے کہ انہوں نے ابلاغ و تبلیغ کے طرز اظہار اور انداز ترسیل کو عہد حاضر کی نسلوں کے مزاج ومذاق سے پوری طرح ہم آہنگ رکھا ہے۔ یہاں ان کی موروثی دہلوی زبان کا سادہ و سلیس اور مؤثر و خوبصورت روزمرہ اور لہجہ انہیں پوری طرح کام دے گیا ہے۔ اس مقام پر انہوں نے دینی اور ملی نقطہ نظر کے ادیبوں مثلاً حضرت مولانا ابوالحسن علی رحمہ اللہ، قدرت اللہ شہاب اور مختار مسعود وغیرہ کے مانوس، تازہ، خوشگوار اور ثقالت و گرانی سے مبرا اسالیب بیان سے بھی استفادہ کیا ہے۔ طرز بیان کو اثرانگیز اور جاذب سماعت بنانے کے لئے موقع بموقع بر محل اشعار سے بھی پورا کام لیا گیا ہے۔ جس سے تبلیغی عمل کو بار آور ہونے کا موقع ملا ہے۔

کتاب کی فہرست عنوانات کم و بیش ڈیڑھ سو چھوٹے چھوٹے عنوانات پر مشتمل ہے۔ یہ جزئیات نگاری موضوع کی کلیت کو ایک ہی پھیلاؤ میں بیک نظر دیکھنے اور سمجھنے میں قاری کی لئے معاون بنتی ہے۔ عنوانات کے تجزیے اور تشریح کے دوران متعدد نئی نئی تاریخی باتوں کا انکشاف سامنے آتا ہے۔ کم از کم راقم خاکسار کی کوتاہ علمی اس ذخیرے سے سعادت اندوز ہوئی کہ یہ میرے لئے نئی تھیں مثلاً

سب سے پہلے مینار کی تعمیر حضرت معاویہ کے حکم سے مصر میں مصر کے گورنر مسلمہ بن

مخلد انصاری کے ذریعے عمل میں آئی۔

مصر میں مینار پر چڑھ کر سب سے پہلے شر حبیل بن عامر نے اذان دی۔

مسجد نبوی میں سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے چاروں کونوں میں ایک ایک مینار بنوایا۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور باسعادت میں مسجد کے مینار نہیں تھے۔

میناروں کی تاریخ میں اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کا نام ان حکمرانوں کے طور پر آیا ہے جنہوں نے میناروں کو ایک مستقل مقام دیا۔

اس طرح یہ کتاب کھلتے ہوئے پوشیدہ علمی منظروں کا ایک تسلسل ہے جس کی بنا پر اسے "کشف المحجوب" کہہ دیا جائے تو کیا حرج ہے۔ چند عنوانات مشتے نمونہ ازخروارے کے طور پر حسب ذیل ہیں:

اذان ایک مکمل دعوت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قیام اذان، صحابہ کرام اور قیام اذان، عبداللہ بن عباس کا اذان سن کر گریہ و زاری، مینار کی اہمیت، جامع اموی کے مینار پر مسیح ہدایت کا نزول، مغفرت بقدر بلندی آواز، موذن کے سر پر اللہ کا ہاتھ، قیامت کے دن موذنین کی سربلندی، چرواہے کی اذان اور اللہ کا اظہار خوشنودی، ٹیپ ریکارڈ اور ٹیلی ویژن کی اذان، نابینا موذن اور فوج کی قیادت، شبلی اور اقبال کا بلالؓ کو خراج عقیدت وغیرہ۔

یہ فہرست عنوانات اتنی جامع اور بسیط ہے کہ ہمارے مولف نے اصل موضوع کے ذیلی اجزا کو دور دور تک نظر انداز نہیں ہونے دیا۔ شخصی ماخذوں میں اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار کے متعدد علمی اکابر میں چند اسمائے گرامی یہ ہیں۔ ابن اثیر، ابن کثیر، ابن حجر، قرطبی، امام بخاری، ابن ابی مباح، ابن جوزی، ابن سیرین، ابن عابدین، امام شافعی، ابن قیم، سعدی شیرازی، واقدی، ذہبی، ابن ابی شیبہ، جلال الدین سیوطی کے علاوہ برصغیر پاک و ہند کے نئے پرانے اکابر علمی کے اسمائے گرامی ہیں، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، احمد سعید دہلوی، ابوالکلام آزاد، شبلی نعمانی، ثناء اللہ پانی پتی، حفظ الرحمن سیوہاروی، مناظر احسن گیلانی، مولانا مفتی محمد شفیع، عبدالسلام ندوی، معین الدین ندوی، مولانا ادریس کاندھلوی، مولانا زکریا کاندھلوی، مولانا وحید الزمان، مولانا یوسف لدھیانوی .... عصر حاضر کے بعض مقامی مشاہیر میں چودھری افضل حق، علامہ اقبال، قدرت اللہ شہاب، ابوالحسن علی ندوی، مختار مسعود، وحید الدین فقیر وغیرہ کے نام نامی مولف کی وسعت تحقیق و استفادہ پر دلالت کرتے ہیں۔ حوالے کی ان تمام شخصیات کے آخر میں سعدی شیرازی کا یہ شعر ان کی وسعتِ تمتع کے اعتراف کا حامل ہے کہ

تمتع زہر گوشۂ یافتم
زہر خرمنے خوشۂ یافتم

(ترجمہ) میں نے کتاب کی ترتیب و تالیف کے لئے ہر علمی گوشہ سے استفادہ کیا اور فکر و نظر اور علم و دانش

کے ہر خرمن سے خوشہ چینی کی۔

اب مختصراً کتاب کے ظاہر کی بات ...... تخلیق احسن الخالقین کی ہو یا اس کی ہنر مند مخلوق (انسان) کی، وہ ہمیشہ جسم و روح اور صورت و معنٰی کی دو گونہ خصوصیات سے متصف ہو کر ہی مکمل ہوتی رہی۔ زیر بحث کتاب کا اصل حسن تو اس کا حسنِ سیرت ہی ہے جو اس کے دینی موضوع کے علمی مواد اور اس کی معنوی افادیت سے متعلق ہے تاہم اس کا حسنِ صورت بھی محض حشو و زوائد میں سے نہیں۔ظاہر و باطن باہم نامیاتی طور پر پیوست اور مربوط ہیں۔ اس کا ظاہر اس کے باطن کا پرتو روشن ہے۔ اندر کی سیّال روشنی کی ایک موجِ خود نما باہر کی طرف آ کر ابتدائی اور آخری دونوں گتوں پر مجسم اور منجمد ہو کر ہمیشہ کے لئے ٹھہر گئی ہے۔ یہ عدم تعین کا تعین میں متشکل اور متحجر ہونا ہے۔ گتوں کے اوپر سبز اور سفید رنگوں کا سوچا سمجھا انتخاب اور امتزاج اپنے مفہوم میں علامتی ہے اور حسن کی ایک خاص معنویت کی بہار کو آشکار کر رہا ہے۔ اپنے وجود اصلی کو مسجد سے الگ کئے ہوئے یہ گنبد و مینار، ادھوری تکونیں، زاویے، قوسیں اور خطوط جو سفید رنگ میں شہود پذیر ہوئے ہیں، نور مطلق کی علامت ہیں۔ ان کا فنی ابہام یاد انگیز اور تخیل افروز ہے۔ جس نے تفرید اور تجرید کو ابھارا ہے۔ میری مراد ہے اس سے اسے انفرادیت بھی ملی ہے اور کچھ تجریدی آرٹ سے بھی منسوب کر دیا گیا ہے۔ مجھے ان کے اندر تھوڑی سی جدید فن تجرید کی صدائے بازگشت سنائی دے گئی ہے۔ بعض جیومیٹریکل ادھوری اشکال پر حروف کا گمان ہوتا ہے۔ یہ غیر مربوط اجزا کسی کل کی یاد دلاتے ہیں اور ابلاغی نقطۂ نظر سے اس مجازِ مرسلی اشاریت سے مربوط دکھائی دیتے ہیں جس میں کل جز کا اور جز کل کا ابلاغ کرتا آیا ہے۔ جزوی اشکال کو گہرے سبز رنگ کے پس منظر میں ابھارا گیا ہے جو دانائے سبل ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے سبز رنگ سے مماثل ہو کر معزز و محترم بن گیا ہے۔ یوں سارا مصورانہ عمل قدسی اور ماورائی سا ہو گیا ہے جو دیکھنے والی آنکھ کو تطہیر سے گزارتا محسوس ہوتا ہے۔ آخری گتے پر اسلامی ادب کا ایک اثر انگیز اقتباس دل کے تاروں کو مرتعش کرتا ہے۔ یہ کسی صاحب واردات کے لمحۂ کیف و سرور اور نشاط و انبساط کے دوران لکھی ہوئی اذان کی تعبیر و توضیح ہے جو پڑھنے والے کو دینی تدبر و تفکر کی دعوت کے ساتھ ساتھ دعوت احساس جمال بھی دیتی ہے۔ یہ خوبصورت اور اعلیٰ درجے کی علمی تحریر (بلکہ تخلیق) صریحاً حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی ہے جو اپنی ذات بابرکات میں صوفیانہ واردات کے استغراقی کمال اور شعر و ادب کے جمال ...... دونوں کے ایک ساتھ رمز شناس تھے۔

میری دلی دعا ہے، رب کریم محض اپنے فضل و کرم سے اس کتاب کو ہر قاری کے لئے پورے پورے روحانی استفادے کا اور مولف گرامی کے لئے (مع مبصر) نجاتِ اخروی کا فیصلہ کن وسیلہ بنادے۔ آمین ثم آمین۔

○